(غلام گردش)

نقال

جناح کالونی کے گراؤنڈ کے نزدیک ایک چوک تھا۔لائل پور کے چھتری والے گراؤنڈ کی بات کرر ہاہوں۔رمضان موچی حسبِ معمول چند جوتے سامنے رکھ کرارد گرد کے لوگوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھا۔1963 کا ذکر ہے یا شائد 1964 کا۔بھرپور طریقے سے یادنہیں۔میں زمان پنساری کی دکان سے کچھ خرید رہا تھا۔اچانک دیکھا کہ چوک میں ایک عجیب وغریب حلیے کا آدمی موجود ہے۔اس نے سفید قمیص شلوار پہن رکھا تھا۔کپڑے خاصے میلے کچیلے تھے۔گریبان مکمل طور پر کھلا تھا۔اسکے سر سے خون نکل رہا تھااور سفید قمیص خون سے مختلف رنگوں سے مزین ہورہی تھی۔خاصہ زخمی نظر آرہا تھا۔بال بالکل منتشر سے تھے۔لمبے کالے بال اور عجیب بات یہ تھی کہ ہاتھ میں ایک پکی اینٹ پکڑ رکھی تھی۔سر سے اوپر اُٹھے بازو میں اینٹ، چہرے پر خون، یہ سب کچھ وحشت ناک لگ رہا تھا۔میں آٹھ نو سال کا بچہ تھا یا شائد چھ سال کا۔سب کچھ دیکھ کر بری طرح ڈر گیا۔مگر چوک میں کوئی بھی اسے غور سے نہیں دیکھ رہا تھا۔سب اپنے کام میں مشغول تھے۔رمضان موچی بغیر کسی فکر کے باتوں میں مصروف۔کریانہ کی دکان میں زمان کسی پریشانی کے بغیر لوگوں کو سودا سلف فروخت کررہا تھا۔نزدیک شفیع برف والا تھڑے پر بیٹھا، برف کی سلوں پر بوری درست کررہا تھا۔پہلے ایسے لگا کہ عجیب الخلقت شخص میری نظر کا دھوکا ہے۔صرف مجھے نظر آرہا ہے۔دل چاہ رہا تھا کہ اردگرد موجود بچوں کو بتاؤں کہ دیکھو یہ کتنا خطرناک آدمی چوک میں اینٹ لیے کھڑا ہوا ہے۔خون میں لتھڑا، کوئی اسے مرہم پٹی کیلئے کیوں نہیں لے جارہا۔سب خاموشی سے اپنے کام میں مصروف کیوں ہیں۔یہ بندہ تو خطرناک لگتا ہے۔کسی کو اینٹ مار کر زخمی نہ کردے۔کوئی اسکے بہتے ہوئے خون پر توجہ کیوں نہیں دے رہا۔اس خطرناک شخص کی جانب کوئی متوجہ کیوں نہیں ہے۔ضرور مجھے وہم ہورہا ہے۔مگر یہ قطعاً خواب نہیں تھا۔چوک کے ایک کونے پر میں کھڑا ہوکر غور سے اس آدمی پر نظر جما کر دیکھ رہا تھا۔اتنی دیر میں ایک شریف سا شخص ہمارے سامنے سے گزرا، صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس یہ بھلا مانس آدمی بالکل عام سا تھا۔اس نے غور سے زخمی شخص کو اینٹ اُٹھائے دیکھا اور ذرا سرعت سے چوک سے آگے جانے کی کوشش کی۔اینٹ والے آدمی نے اینٹ کو ہاتھ میں مزید بلند کیا اور تیزی سے اس شریف بندے کی طرف جھپٹا۔اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر اس اجنبی شخص نے وہی کیا، جو ہر خوفزدہ آدمی کرتا ہے۔اس نے تیزی سے بھاگنا شروع کردیا۔اینٹ والا شخص خون میں لَت پت اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔میں بھی ان دونوں کے پیچھے دوڑنے لگا۔تقریباً سو فٹ دور جا کر، وہ شریف آدمی رُک گیا۔اس نے بڑی سادگی اور معصومیت سے پیچھا کرنے والے ظالم آدمی کی طرف دیکھا۔اور بے بس ہوکر بیٹھ گیا۔خون میں لَت پت، اینٹ والا شخص بڑے آرام سے اسکے پاس گیا۔میرا خیال تھا کہ اب یہ مشکل آدمی، اسے زخمی کردیگا۔اینٹ سے اسکا سر پھاڑ دیگا۔دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔مگر اگلا واقعہ میری توقع سے بالکل مختلف تھا۔زخمی نظر آنے والے آدمی نے بڑے ادب سے دوسرے شخص کو اُٹھایا۔اینٹ تمیز سے ایک طرف رکھ دی۔ہنستے ہنستے، ہاتھ بڑھا کر دوسرے شخص کو کھڑا کیا۔زور سے بولا، باؤجی، سلام۔کھٹ سے ہاتھ پیشانی پر لا کر سلوٹ مارا۔زمین پر بیٹھا ہوا اجنبی آدمی بھی حیران رہ گیا۔اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔دو یا چار روپے نکالے اور زخمی آدمی کو دیدیے۔دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر قہقہے

بلند کیے اور پھر معاملہ ختم ہوگیا۔ پر مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔اینٹ والا شخص،اب دوبارہ چوک کی طرف چل پڑا۔وہاں پانی کے نلکے پر سر دھونا شروع کر دیا۔میں دور سے دیکھ رہا تھا۔پانی نے اسکا خون صاف کر دیا۔دراصل یہ سرخ رنگ تھا۔جو اس شخص نے اپنے سر پر ڈال رکھا تھا۔پھر اس نے پانی سے اپنا کُرتا دھویا۔اینٹ پر بھی رنگ لگا ہوا تھا۔اسے صاف کیا اور خاموشی سے چلا گیا۔دراصل وہ شخص نقال تھا۔آپ اسے سوانگ رچانے والا شخص بھی کہہ سکتے ہیں۔وہ اسطرح مختلف روپ دھار کر بندوں کو تھوڑا سا پریشان کرتا تھا اور پھر دو چار روپے انعام میں وصول کر لیتا تھا۔یہ واقعہ دراصل مکمل طور پر روایتی سا تھا۔خون بھی جعلی تھا۔اینٹ اصل تھی مگر وہ کسی کو مارنے کیلئے نہیں، بلکہ تھوڑا سا ڈرانے کیلئے تھی۔یعنی وہ تمام واقعہ دراصل ایک آدمی کی شعبدہ بازی تھی،جس سے وہ اپنی روزی حاصل کرتا تھا۔

یہ واقعہ بالکل معمولی سا ہے۔مگر آج سوچتا ہوں۔اپنے اردگرد دیکھتا ہوں تو مجھے پورا معاشرہ اور مکمل نظام ایک ڈھونگ سا نظر آتا ہے۔جعلی جعلی سا۔اصل کی ادنیٰ سی نقل۔چلیے،سماج کے کسی بھی شعبے کو پرکھیے۔جانچیے۔ہمیں سارا دن بتایا جتا ہے کہ عدل کے بغیر کوئی زندہ معاشرہ مسلسل زندہ نہیں رہ سکتا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ملک میں اگر انصاف کرنے کا سنجیدہ نظام موجود ہو،تو سالمیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ہر دم،مذہبی حوالے بھی دیے جاتے ہیں جس میں انصاف کی اہمیت کو گردان کی طرح تکرار سے بولا جاتا ہے۔یہ سب کچھ درست ہے۔صائب ہے۔مگر عملی طور پر دیکھیے،تو پورے نظام میں انصاف نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔تباہ کن حقیقت یہ ہے کہ عدل فراہم کرنے والا ادارہ،یعنی عدلیہ اپنے کام میں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔نچلی سطح سے لیکر بلند ترین عدالتوں کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھیے۔خوبصورت بلکہ شاندار عمارتیں دکھائی دینگیں۔ان میں صبح صبح انتہا کا ہجوم نظر آئیگا۔کالے کوٹ پہنے وکیل مستعد طریقے سے کام کرتے دکھائی دینگے۔جج صاحبان بیش قیمت گاڑیوں سے،چپڑاسیوں کے ہجوم میں اُترتے نظر آئینگے۔ایسے لگے گا کہ آج جو بھی عدالت میں موجود ہے۔اسے ہر قیمت پر عدل فراہم کیا جائیگا۔مگر ایسا کچھ نہیں ہوتا۔انتہائی زور و شور سے شروع ہونے والا دن،اسی ناکامی سے ختم ہو جاتا ہے،جو تہتر سال سے ہمارے ملک میں مسلسل ہوتا آیا ہے۔ظلم اور بربریت کے خلاف نظامِ انصاف کی مکمل ناکامی۔یہ معمولی ناکامی نہیں ہے۔اس پر تو کوئلوں والا ماتم ہونا چاہیے۔وجوہات سب کو معلوم ہیں۔مگر طاقتور سے طاقتور حکمران بھی نظام عدل کو تبدیل کرنے کی جرات نہیں کر سکا۔طالبعلم کی نظر میں اسکی صرف ایک وجہ ہے۔یہ بوسیدہ اور شکستہ نظامِ عدل،طاقتور آدمی کے جرائم کو ڈھانپنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔غریب کیلئے دھکے،تواتر سے تاریخیں اور عذاب ہی عذاب ہے۔ہوسکتا ہے کہ آپکو میری بات پر اعتراض ہو۔غور سے سوچیے۔کسی دن عدالت میں جا کر دیکھیے۔آپکے رونگٹے کھڑے ہو جائینگے۔لگے گا کہ ''مویشی منڈی'' میں آ گئے ہیں۔صفت انصاف تو دور کی بات۔عدالت سے منسلک عمال،سائلین کی جیبوں سے ہر دم کچھ نہ کچھ وصول کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ ہمارے پاس جج صاحبان کی تعداد حد درجہ کم ہے۔لہذا عدل کی فراہمی میں بہت سی مشکلات ہیں۔یہ بات جزوی طور پر درست ہے۔ہمارے پاس جو بھی منصفین ہیں،کیا واقعی وہ عوام کیلئے انصاف فراہم کرنے میں کامیاب ہیں؟اس سوال کا جواب آپ ذرا کسی بھی عدالت میں موجود سائیلوں سے پوچھیے۔شدید مایوسی ہوگی۔ہمارے نظامِ عدل میں انصاف کی فراہمی کے علاوہ سب کچھ

ہے۔سوال تو برقرار ہے۔کیوں گزشتہ بہتر برس میں ہم عدالتی اصلاحات نہیں کر پائے۔کیوں ہم نے انگریزوں کے بنائے ہوئے ایک غیر فطری اور جبری نظام میں جوہری تبدیلیاں نہیں کیں۔اسکا جواب ہمارے ملک کا کوئی مقتدر انسان نہیں دے سکتا۔

صرف نظامِ انصاف نہیں۔ہم مکمل طور پر ہر جہت میں ناکام ہو چکے ہیں۔کسی بھی حکومتی کارکردگی کو معیاری کہنا ناممکن ہے۔سارا دن،حکومت،سیاستدان اور حکومتی نظام کو تبرے پڑتے ہیں۔یہ مکمل طور پر درست سلوک ہے۔مگر دل تھام کر جواب دیجئے۔کیا ہمارے سماجی،عائلی،اقتصادی،معاشی نظام واقعی درست سمت میں گامزن ہیں۔ہرگز نہیں،صاحبان!ہرگز نہیں۔آپ ملک کے معاشی نظام کا گہرائی سے تجزیہ کریں۔ہمارے معاشی ادارے،یعنی بینک،کسی بھی نئے کاروبار کرنے والے شخص کو سرمایہ فراہم نہیں کرتے۔یہ بینک،حکومت کے جاری کردہ ٹی بلز اور سرمایہ کاری سکیموں میں پیسہ لگا کر ذاتی منافع کماتے ہیں۔مگر انکا رویہ ''بزنس فرینڈی'' بالکل نہیں ہے۔پھر سود کی شرح اتنی کہ اگر ایک بار کوئی بھولا بھٹکا شخص انکے قابو آ گیا تو یہ اسکی جائیداد تک بکوا دیتے ہیں۔آج امریکہ میں شرح سود،ایک سے ڈیڑھ فیصد ہے۔اور ہمارے پیارے ملک میں دس سے تیرہ فیصد ہے۔اس معاشی نظام میں کوئی انقلابی تبدیلی کرنے کا نہیں سوچتا۔کیونکہ یہ بینک بڑے کاروباری سیٹھوں کے معاملات کو تحفظ دے رہے ہیں۔عوامی سرمایہ کاری سے انکا دور دور کا واسطہ نہیں۔ہاں،اگر بینک ظلم کر رہے ہیں تو کاروباری طبقہ اپنا تمام غصہ عام آدمی پر نکال رہے ہیں۔ہمارا تاجر طبقہ بظاہر بہت مذہبی نظر آتا ہے۔مگر اندر سے یہ چھرے ہیں۔انکے کاروبار کی جزئیات کا کسی اخلاقی اُصول سے کوئی تعلق نہیں۔سب لچھے دار باتیں ہیں۔یہ جب تک ایک روپے کی چیز دس گیارہ روپے میں نہ فروخت کر لیں،انہیں چین نہیں آتا۔پھر ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کا الگ وطیرہ ہے۔اللہ کے فضل سے یہ مذہبی معاملات میں حد درجہ طاق معلوم ہوتے ہیں۔مگر اپنے گاہکوں سے معاشی انصاف کرنے پر بالکل یقین نہیں رکھتے۔

کسی بھی شعبہ پر نظر ڈالیے۔آپکو سفاک بھیڑیے اور درندے نظر آئینگے۔کوئی بھی ایسا نہیں جو عوام کی فلاح کیلئے دل سے کام کر رہا ہو۔دوائیوں سے لیکر اخلاقیات تک،ہسپتالوں سے لیکر پیر فقیروں تک،سیاسی نظام سے لیکر معاشرتی نظام تک،سب کچھ جعلی نظر آتا ہے۔بھدی اور خوفناک نقل۔جسے دیکھ کر ہماری نیند حرام ہونی چاہیے۔مگر کچھ نہیں ہوتا۔کوئی بہتری کرنے والا بھی نہیں۔جناح کالونی کا وہ سوانگ رچانے والا تو بردبار آدمی تھا۔کم از کم پانی کے نلکے پر جا کر سرخ نظر آنے والا جعلی خون صاف کرتا تھا۔مگر ہمارے ادارے اور نظام نقلی ہونے کے باوجود،اپنا خون آلودہ چہرہ صاف نہیں کر پا رہے۔اسلیے کہ یہ خون عوام کا ہے۔جعلی ہونے کے باوجود یہ دوسروں کے خون سے اپنا چہرہ رنگین کیے ہوئے ہیں۔ان تمام سے تو وہ نقال ہی بہتر تھا۔کم از کم اصل تو تھا!

راؤ منظر حیات